روح کی واپسی اور مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ ابو یحییٰ نورپوری حفظہ اللہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من أحد يسلّم عليّ الّا ردّ الله عليّ روحي ، حتّى أردّ عليه السّلام .

''(میرے فوت ہو جانے کے بعد) کوئی بھی مسلمان مجھ پر سلام نہیں کہے گا، مگر اللہ تعالیٰ اتنی دیر میری روح لوٹا دے گا کہ میں اس پر جواب لوٹا دوں۔'' (سنن أبي داوٗد : باب زيارة القبور ، ح : ۲۰٤۳) ①

---

① اس حدیث کی سند کو حافظ نووی (خلاصة الأحكام : ۱/٤٤۱، ح : ۱٤٤۰)، شیخ الاسلام ابن تیمیہ (اقتضاء الصراط المستقیم : ص ۳۲٤)، حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ (جلاء الافہام : ۱/۵۳) حافظ ابن الملقن (تحفة المحتاج : ۲/۱۹۰) رحمہم اللہ وغیرہ نے ''صحیح'' اور حافظ عراقی (تخریج احادیث الاحیاء : ح ۱۰۱۳)، حافظ ابن عبدالہادی (الصارم المنکی : ۱/۱۱٤) رحمہم اللہ نے ''جید'' کہا ہے، نیز حافظ سخاوی (المقاصد الحسنة : ۱/۵۸۷)، حافظ عجلونی (کشف الخفاء : ۲/۱۹٤) وغیرہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

مذکورہ حدیث تو واقعی کم از کم ''حسن'' ہے، لیکن یہ سند ''منقطع'' ہے، کیونکہ یزید بن عبداللہ بن قسیط راوی جو کہ کثیر الارسال ہیں، انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ڈائریکٹ یہ حدیث نہیں سنی، بلکہ وہ ایک واسطے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں، جو کہ (المعجم الأوسط للطبرانی : ۳/۲٦۲، ح : ۳۰۹۲) میں موجود ہے اور اس کی سند ''حسن'' ہے۔

اس روایت میں امام طبرانی رحمہ اللہ کے شیخ بکر بن سہل الدمیاطی جمہور محدثین کے نزدیک ''ثقہ'' ہیں، کیونکہ امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المختارة : ۱۵۹) اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرك على الصحيحين : ٤/۱۷۷، ٦٤۳، ٦٤٦) نے ان کی توثیق کی ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

نیز مستخرج ابی نعیم (۵۸۳، ۵۸٦، وغیرہ) اور مستخرج ابی عوانہ (۲۰۲٤، ٦۹۰۳) میں بھی ان کی روایت موجود ہے، جو کہ ان کے ثقہ ہونے پر واضح دلیل ہے۔

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ضعّفه النّسائيّ ، ووثّقه غيره .**

''امام نسائی رحمہ اللہ نے تو ان کو ضعیف کہا ہے، لیکن دوسروں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ٤/۱۱۷)

اس حدیث کا تعلق آپ ﷺ کی وفات کے بعد والے زمانہ کے سلام سے ہے، گویا یہ کسی سوال کا

⇦ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو "متوسط"، یعنی درمیانے درجہ کا راوی کہا ہے۔(المغنی : ۹۷۸)

نیز فرماتے ہیں: **حمل النّاس عنه ، وهو مقارب الحال ، قال النّسائیّ : ضعيف .**

"محدثین نے ان سے روایات لی ہیں اور وہ حسن الحدیث راوی ہے ، امام نسائی نے ان کو ضعیف کہا ہے۔"(میزان الاعتدال : ٦٢/٢)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ ایک سند پر حکم لگاتے ہوئے، جس میں بکر بن سہل بھی موجود ہیں، لکھتے ہیں:

ورجاله موثوقون الّا سليمان بن أبی كريمة ، ففيه مقال .

"اس کے سارے راویوں کو ثقہ کہا گیا ہے، سوائے سلیمان بن ابی کریمہ کے کہ اس میں کچھ جرح موجود ہے۔"(الأمالی المطلقة لابن حجر : ١٢٧/١)

حالانکہ لسان المیزان میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے خود بکر بن سہل الدمیاطی پر امام نسائی کی جرح ذکر کی ہے۔(لسان المیزان لابن حجر : ٥١/٢، ت : ١٩٥)

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی امام نسائی رحمہ اللہ کی بکر بن سہل الدمیاطی پر جرح مقبول نہیں، بلکہ جمہور کی توثیق کی وجہ سے وہ "ثقہ" ہی ہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محدث البانی رحمہ اللہ کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ:

ضعّفه النّسائیّ ، ولم يوثّقه أحد . "اس (بکر بن سہل الدمیاطی) کو امام نسائی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے، ثقہ کسی نے نہیں کہا۔"(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة : ٥٦٢/١٤)

رہا مسئلہ یہ کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں بکر بن سہل الدمیاطی پر جو امام نسائی رحمہ اللہ اور مسلمہ بن قاسم کی جرح نقل کی ہے، اس کا کیا معنیٰ تو عرض ہے کہ:

۞ امام نسائی رحمہ اللہ راویوں کے بارے میں بسا اوقات زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے، اس بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فكم من رجل أخرج له أبوداؤد والتّرمذیّ وتجنّب النّسائیّ حديثه ، بل تجنّب اخراج حديث جماعة من رجال الصّحيحين ، وقال سعد بن علی الزّنجانیّ : انّ لأبی عبد الرّحمٰن شرطا فی الرّجال أشدّ من شرط البخاریّ ومسلم .**

"کتنے ہی راوی ہیں، جن کی روایات امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے بیان کی ہیں، لیکن امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کی حدیث بیان کرنے سے اجتناب کیا ہے، بلکہ انہوں نے تو (مزید احتیاط کو مدِّنظر رکھتے ہوئے) صحیح بخاری و مسلم ⇦

جواب ہے، جسے راوی نے حدیث بیان کرتے ہوئے بیان نہیں کیا، یعنی کسی صحابی نے آپ ﷺ سے سوال کیا

⇦ کے بہت سے راویوں کی حدیث بیان کرنے سے بھی اجتناب کیا ہے، سعد بن علی زنجانی کا کہنا ہے کہ امام ابوعبدالرحمٰن (نسائی) کی راویوں کے بارے میں شرط امام بخاری ومسلم سے بھی کڑی ہے۔'' (النکت علی کتاب ابن الصلاح : ۷٦/۱)

۞ دوسری بات یہ ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ سے یہ جرح ثابت بھی نہیں، جیسا کہ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے مجھے توجہ دلائی کہ امام موصوف سے اس بات کو بیان کرنے والے ان کے بیٹے عبدالکریم کے حالات ہمیں نہیں مل سکے۔ واللہ اعلم!

۞ باقی رہا مسلمہ بن قاسم کا بکر بن سہل الدمیاطی پر یہ جرح کرنا کہ:

تكلّم النّاس فيه . ''لوگوں نے اس پر جرح کی ہے۔'' (لسان المیزان : ۵۱/۲)

تو یہ کئی وجوہ سے مردود و باطل ہے:

① مسلمہ بن قاسم خود نا قابل اعتبار شخص تھا، لہٰذا اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔

② امام نسائی رحمہ اللہ کے سوا کسی محدث کا ان پر جرح کرنا ثابت نہیں، مسلمہ بن قاسم کے ذکر کردہ لوگ ''مجہول'' ہونے کی بنا پر لائق اعتناء نہیں۔

③ مسلمہ بن قاسم ان راویوں کے بارے میں بھی یہ الفاظ ذکر کر دیتا ہے، جو خود اس کے نزدیک بھی ''حسن الحدیث'' ہوتے ہیں، لسان المیزان ہی میں موجود ہے کہ:

وقال مسلمة بن قاسم : ليس به بأس ، تكلّم النّاس فيه .

''مسلمہ بن قاسم نے کہا ہے کہ اس (یحیٰی بن ابی طالب) میں کوئی حرج نہیں (وہ حسن الحدیث راوی ہے)، لوگوں نے اس پر جرح کی ہے۔'' (لسان المیزان : ٦/٢٦٢) معلوم ہوا کہ بکر بن سہل الدمیاطی پر تمام جروح مردود ہیں۔

تنبیہ : طبرانی اوسط کی مذکورہ سند میں حیوۃ بن شریح کے شاگرد عبداللہ بن یزید ''الاسکندرانی'' ذکر کیے گئے ہیں، جن کا کتبِ تاریخ ورجال میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا، جبکہ باقی کتبِ حدیث میں یہ راوی عبداللہ بن یزید ''المقرئ'' ہیں، جو کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے معروف راوی ہیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ طبرانی میں مذکور عبداللہ بن یزید ''الاسکندرانی'' دراصل ''المقرئ'' ہی ہیں، کیونکہ حیوۃ بن شریح کے شاگردوں میں کسی اور عبداللہ بن یزید کا پتا نہیں چل سکا۔ پھر طبرانی اوسط میں ہی امام طبرانی نے اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ذکر کی ہے، جس میں اگرچہ یزید بن عبداللہ بن قسیط اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ابوصالح کا ⇦

تھا کہ اب تو ہم آپ ﷺ کو سلام کہتے ہیں اور آپ جواب دیتے ہیں، آپ کی وفات کے بعد ہمارا سلام کس طرح اور آپ کا جواب کس طرح ہوگا؟ اس پر آپ ﷺ کی طرف سے یہ فرمان جاری ہوا۔

⇦ واسطہ موجود نہیں، لیکن امام صاحب کے استاذ کے شیخ عبداللہ بن یزید کے نام کے ساتھ ''المقری'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے۔

ان کو ''الاسکندرانی'' کہے جانے کی وجہ شاید یہ ہے کہ ''معجم البلدان'' میں اسکندریہ نامی تیرہ شہر ذکر کیے گئے ہیں، جو کہ اب کسی اور نام سے معروف ہیں، عین ممکن ہے کہ ان کے علاقے کو بھی ''اسکندریہ'' کہا جاتا ہو اور شاید اسی وجہ سے ہی محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **قلت : هو المقرئ ، ثقة ، من رجال الشّيخين ...**

''میں کہتا ہوں کہ یہ (عبداللہ بن یزید الاسکندرانی) المقری ہی ہیں، جو کہ ثقہ ہیں، صحیح بخاری وصحیح مسلم کے ایک راوی ہیں۔'' (السلسلة الصحيحة : ٣٣٨/٥، ح : ٢٢٦٦)

لیکن اگر اس عبداللہ بن یزید الاسکندرانی کو ''مجہول'' قرار دیا جائے تو لامحالہ طور پر سنن ابی داؤد والی سند ''حسن'' ہو جائے گی، کیونکہ اس کے ضعف پر سوائے اس روایت کے اور کوئی دلیل نہیں کہ طبرانی اوسط میں یزید بن عبداللہ بن قسیط اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ابو صالح کا واسطہ موجود ہے، جبکہ سنن ابی داؤد میں موجود نہیں، اگر طبرانی اوسط والی یہ سند ''ضعیف'' قرار پاتی ہے تو سنن ابی داؤد کی سند میں موجود ''انقطاع'' کی یہ دلیل ختم ہو جائے گی اور پھر اسے ''منقطع'' قرار دینا بلا دلیل ہوگا۔

اگرچہ یزید بن عبداللہ بن قسیط ''کثیر الارسال'' ہیں، لیکن صرف یہ شبہ اس سند کے ضعف کی دلیل نہیں ہوگا کہ شاید یہاں بھی انہوں نے ''ارسال'' کر کے کوئی واسطہ گرا کر ڈائریکٹ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کر دیا ہو۔ یزید بن عبداللہ بن قسیط کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ولقاء ثابت ہے۔ (السنن الكبرىٰ للبيهقي : ١٢٢/١، ح : ٥٩٨، وسندهٗ جيدٌ)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس اصول پر محدثین کا اجماع نقل کیا ہے کہ غیر مدلس راوی اگر بصیغۂ ''عن'' روایت کرے اور اپنے شیخ سے اس کا سماع ولقاء کسی دلیل سے ثابت نہ ہو، بلکہ اس کا امکان ہو تو بھی روایت ''اتصال'' پر محمول ہوگی، چہ جائیکہ کسی جگہ اس کے سماع کی صراحت بھی مل جائے! لہٰذا اگر طبرانی اوسط والی سند کو ''الاسکندرانی'' کی وجہ سے ''ضعیف'' خیال کیا جائے تو بھی اس اجماع کے خلاف صرف ''شبۂ انقطاع'' کو معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔ انّ الظّنّ لا يغني من الحقّ شيئا --- پھر ہمارے علم کے مطابق ''کثیر الارسال'' راوی کی ''عن'' والی روایت کو متقدمین میں سے امام ابنِ سعد (الطبقات : ٦٩٣/٦) کے علاوہ کسی نے بھی ''شبہ انقطاع'' کی وجہ سے ''ضعیف'' قرار نہیں دیا، ⇦

مسئلہ حیات النبی ﷺ

بعض لوگ اس حدیث سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کشید کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ یوں کہ کوئی بھی اگر رسولِ کریم ﷺ پر سلام کہتا ہے تو آپ ﷺ کی روح لوٹائی جاتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں، اس سے آپ ﷺ کی مستقل زندگی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اس سلام میں انقطاع نہیں ہوتا، ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر آپ ﷺ پر سلام بھیجا جا رہا ہوتا ہے اور آپ ﷺ اس کا جواب دے رہے ہوتے ہیں۔ کوئی وقت بھی اس عمل سے خالی نہیں رہتا، ثابت ہوا کہ آپ ﷺ بھی مسلسل زندہ ہیں۔

لیکن جس بنیاد پر یہ استدلال کیا گیا ہے، وہ بہت ہی بودی اور کمزور ہے اور اس پر تعمیر کی جانے والی عمارت تھوڑا سا غور کرنے پر فوراً منہدم ہو جاتی ہے، کیونکہ اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نہ آپ ﷺ پر سلام کبھی منقطع ہوتا ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کی طرف سے اس کے جواب میں انقطاع ہوتا ہے، جبکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ:

① اس حدیث سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ ہر سلام کہنے والے کا جواب لوٹاتے ہیں، خواہ وہ قریب سے سلام کہے یا دور سے، بلکہ یہ حدیث تو صرف قریب سے سلام کہنے والے کے بارے میں ہے، کیونکہ دور سے سلام کہنے والے کے بارے میں آپ ﷺ نے خود صراحتاً یہ بات فرما دی ہے کہ اس کا سلام آپ ﷺ تک فرشتے پہنچاتے ہیں اور اس کا جواب بھی آپ ﷺ سے خود دینا ثابت نہیں، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جو کہ سابقہ حدیث کے راوی ہیں، جس سے حیات النبی ﷺ پر دلیل لی جاتی ہے، وہی

⇦ لیکن اس کو بھی اس پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ "کثیر الارسال" راوی کسی ایسے صحابی سے "عن" کے ساتھ روایت کر رہا ہو، جس سے اس کا سماع کہیں بھی ثابت نہ ہو۔

ورنہ پھر امام عطاء بن ابی رباح، امام مکحول شامی (خصوصاً حديثه فى القراءة خلف الامام، عنعن فيه)، امام ضحاک بن مزاحم، امام عبداللہ بن زید ابو قلابہ جرمی، امام ابو العالیہ رفیع بن مہران وغیرہم رحمہم اللہ کی "عن" والی ساری روایات اس "شبہ انقطاع" کی نظر ہو کر "ضعیف" قرار پائیں گی، کیونکہ یزید بن عبداللہ بن قسیط کی طرح یہ مذکورہ ائمہ بھی "کثیر الارسال" ہیں، حالانکہ ان کی ایسی روایات سب کے ہاں معتبر ہوتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بہر حال "حسن" درجہ کی ہے۔ والله أعلم بالصّواب وعلمه أبرم وأحكم !

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل فرماتے ہیں کہ: ((لا تتّخذوا بیوتکم قبورا ، ولا تجعلوا قبری عیدا ، وصلّوا علیّ ، فانّ صلاتکم تبلغنی حیث کنتم)) ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ، نہ ہی میری قبر کو میلہ گاہ بنانا، (بلکہ جہاں بھی ہو) مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ تم جہاں بھی ہو گے، تمہارا درود مجھ تک پہنچے گا۔'' (مسند الامام احمد : ۳۶۷/۲، ح : ۸۷۹۰، سنن ابی داوٗد : ۲۰۴۱، واللفظ له ، وسندهٗ حسنٌ)

نیز سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انّ للّٰہ ملائکة سیّاحین فی الأرض ، یبلّغونّی من أمّتی السّلام))

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے موجود ہیں، جو زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں، وہ میری امت کی طرف سے سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔'' (مسند الامام احمد : ۳۸۷/۱، ۴۴۱، ۴۵۲، سنن النسائی الصغریٰ : ۴۴/۳، ح : ۱۲۸۲، الکبریٰ لهٗ : ۲۲/۶، وسندهٗ حسنٌ) ①

ان احادیث سے صریح طور پر یہ معلوم ہو گیا ہے کہ دور سے درود و سلام کہنے والے کا وہ حکم نہیں، جو قریب سے سلام کہنے والے کا ہے، کیونکہ دور سے سلام کہنے والے کو آپ ﷺ کے جواب لوٹانے کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے، جبکہ قریب سے سلام کہنے والے کو جواب لوٹانے پر نص موجود ہے۔

محدثین و ائمہ دین کی تصریحات بھی اس پر شاہد ہیں۔

---

① اس حدیث کی بہت سے ائمہ نے ''تصحیح'' کی ہے، مثلاً امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۹۱۴) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرك علی الصحیحین : ۴۵۶/۲) نے ''صحیح الاسناد'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

یاد رہے کہ اس حدیث میں سفیان ثوری رحمہ اللہ تدلیس نہیں کر رہے، کیونکہ سماع کی صراحت موجود ہے (فضل الصلاة علی النبی للقاضی اسماعیل ، بحوالة الصارم المنکی : ۲۰۲/۱)، نیز **مسند البزار** (۱۹۲۴) میں اس حدیث کو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ بیان کر رہے ہیں اور وہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے صرف وہی احادیث بیان کرتے ہیں، جن میں سماع کی صراحت ہوتی ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا:

ما کتبت عن سفیان شیئا الّا ما قال فیه : حدّثنی أو حدّثنا ....

''میں نے سفیان (ثوری رحمہ اللہ) سے صرف وہ احادیث لکھی ہیں، جن میں انہوں نے حَدَّثَنَا یا حَدَّثَنِیْ کے الفاظ کہے ہیں۔'' (العلل ومعرفة الرجال لاحمد بن حنبل : ۵۱۷/۱)

پھر سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث، جس کو ہم آئندہ بیان کریں گے، اسے بھی پڑھ لیں تو بالکل وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس سلام کا جواب اللہ تعالیٰ دس رحمتوں کے نزول کی صورت میں دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فهم العلماء منه السّلام عند قبره خاصّة ، فلا يدلّ على البعيد .** ''اس حدیث سے علمائے کرام نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سلام (کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا لوٹایا جانا) سمجھا ہے، یہ حدیث دور (سے سلام کہنے پر روح کے لوٹائے جانے) پر دلالت نہیں کرتی۔'' (الرد علی البکری : ۱/۱۰۷)

نیز فرماتے ہیں: **وهذا الحديث هو الّذى اعتمد عليه العلماء ، كأحمد و أبي داوٗد وغيرهما في السّلام عليه عند قبره ....** ''یہی وہ حدیث ہے، جس پر امام احمد بن حنبل اور امام ابوداود رحمہما اللہ وغیرہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہنے کے سلسلہ میں اعتماد کیا ہے۔''

(الرد علی البکری : ۱/۱۰۶)

علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ بھی اسے اکثر علمائے کرام کے نزدیک قبر کے پاس پر محمول کرتے ہیں۔

(الصارم المنکی لابن عبد الهادی : ۱/۱۱۵)

قریب سے مراد صرف حجرۂ عائشہ ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں، یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی سفر سے واپس آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس جا کر یہ الفاظ کہتے:

السّلام عليک يا رسول اللّٰه ، السّلام عليک يا أبا بكر ، السّلام عليک يا أبتاه .

''اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو، اے ابوبکر! آپ پر سلامتی ہو، اے میرے ابا جان! آپ پر سلامتی ہو۔'' (فضل الصلاة علی النبی للقاضی اسماعیل بن اسحاق : ص ۸۱-۸۲، ح : ۹۹، السنن الکبریٰ للبیهقی : ۵/۲۴۵، وسندهٗ صحیحٌ)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح لوٹائے جانے کا تعلق صرف اس شخص سے ہے، جو قبر مبارک کے عین قریب جا کر سلام کہے، جیسا کہ علامہ شنقیطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومجمعون أنّ ذلک يحصل لمن سلّم عليه صلّى اللّٰه عليه وسلّم من قريب ...

''اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب لوٹانا) اس شخص کو حاصل ہوتا ہے، جو کہ قریب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہتا ہے۔۔۔'' (اضواء البیان للشنقیطی : ۸/۸۳۸)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (تفسیر ابن کثیر : ۳/۶۲۱) وغیرہ نے بھی اس حدیث کا تعلق اسی شخص سے قائم کیا ہے، جو

قریب سے آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے، دور سے سلام کہنے والوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس کا جواب تو اللہ تعالیٰ رحمت کی صورت میں لوٹاتا ہے۔

ابوطیب شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: والقول الصّحیح أنّ هذا لمن زاره ، ومن بعُد عنه تبلغه الملائكة سلامه .

''صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے، جو آپ ﷺ (کی قبر مبارک) کی زیارت کرے اور جو دور ہو، فرشتے اس کا سلام آپ ﷺ تک پہنچاتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ رحمت کرکے اس کا جواب دیتا ہے)۔'' (عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد : ۲۲/۶)

ابوالحسن عبیداللہ بن محمد رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فانّ الصّحیح أنّ المراد فی الحدیث السّلام علیه عند قبره ، کما فهمه کثیر من العلماء ....

''صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد آپ ﷺ کی قبر مبارک کے قریب کہا جانے والا سلام ہے، جیسا کہ بہت سے علمائے کرام نے سمجھا ہے۔'' (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح : ۲۶۳/۳)

سب سے واضح بات تو یہ ہے خود امام ابوداؤد رحمہ اللہ اسے قبروں کی زیارت کے باب میں بیان کررہے ہیں۔

جب احادیث اور محدثین کی صراحت سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس حدیث میں جو روح لوٹائے جانے اور جواب لوٹانے کا بیان ہے، اس کا تعلق صرف حجرۂ عائشہ میں کھڑے ہوکر سلام کہنے والے سے ہے، دنیا کے ہر درودوسلام پڑھنے والے سے نہیں تو اب یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر آج تک کوئی دور ایسا نہیں آیا کہ حجرۂ عائشہ میں ہر وقت رسول اللہ ﷺ پر سلام کہا جارہا ہو، لہٰذا اس حدیث سے یہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ چونکہ آپ ﷺ پر ہر وقت کہیں نہ کہیں سلام کہا جارہا ہوتا ہے اور روح لوٹی ہی رہتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ مستقل زندہ ہیں! یوں اس حدیث سے ''حیات النبی ﷺ'' کا اثبات واضح طور پر باطل ہے۔

② اس حدیث کے الفاظ بھی مسئلہ حیات کے منافی ہیں، جیسا کہ علامہ عبدالہادی رحمہ اللہ اس کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولیس هذا المعنیٰ المذکور فی الحدیث ، ولا هو ظاهره ، بل هو مخالف لظاهره ، فانّ قوله : ((الّا ردّ الله علیّ روحی)) بعد قوله : ((ما من أحد یسلّم علیّ ...)) یقتضی ردّ الرّوح بعد السّلام ، ولا یقتضی استمرارها فی الجسد ، ولیعلم أنّ ردّ الرّوح الی البدن وعودها الی الجسد بعد الموت لا یقتضی استمرارها فیه ، ولا یستلزم حیاة أخری قبل یوم النّشور نظیر الحیاة المعهودة ، بل اعادة الرّوح الی الجسد فی البرزخ اعادة برزخیّة ، لا تزیل عن

الميّت اسم الموت ، وقد ثبت في حديث البراء بن عازب الطويل المشهور في عذاب القبر ونعيمه في شأن الميّت وحاله أنّ روحه تعاد الى جسده ، مع العلم بأنّها غير مستمرّة فيه ، وأنّ هذه الاعادة ليس مستلزمة لاثبات حياة مزيلة لاسم الموت ، بل هي أنواع حياة برزخيّة ...

''یہ مذکورہ معنیٰ (حیات النبی ﷺ کا مسئلہ) حدیث میں موجود نہیں، نہ ہی یہ حدیث کا ظاہری معنیٰ ہے، بلکہ یہ تو اس کے ظاہری معنیٰ کے خلاف ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا کسی کے سلام کہنے کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ میری روح لوٹا دیتا ہے، اس بات کا مقتضی ہے کہ روح سلام کہنے کے بعد لوٹائی جاتی ہے، یہ الفاظ روح کے جسم میں ہمیشہ رہنے کا تقاضا نہیں کرتے۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بدن کی طرف روح کا لوٹایا جانا اور موت کے بعد جسم کی طرف اس کا واپس آنا اس کے ہمیشہ وہیں رہنے پر دلالت نہیں کرتا، نہ ہی وہ قیامت سے پہلے کسی دوسری زندگی کو مستلزم ہے، جو دنیوی زندگی کی طرح ہو، بلکہ برزخ میں روح کا جسم کی طرف لوٹایا جانا ایک برزخی اعادہ ہے، جو میت سے موت کا نام ختم نہیں کرتا۔

قبر کے عذاب اور اس کی نعمتوں کے بارے میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مشہور طویل حدیث (سنن ابی داوٗد : ٤٧٥٣، السمتدرك للحاكم : ٩٥/١، وسندهٗ حسنٌ) میں ہے کہ (قبر میں سوال وجواب کے وقت ہر) مردے کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جائے گی، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ وہ روح اس جسم میں ہمیشہ نہیں رہتی، نہ ہی وہ ایسی زندگی کو مستلزم ہے، جو میت سے موت کا نام ہی ختم کر دے، بلکہ وہ تو برزخی زندگی کی ایک قسم ہے۔۔۔'' (الصارم المنكى : ٢٢٢/١۔٢٢٣)

یعنی اگر روح کے لوٹائے جانے کو حیاتِ دنیوی شمار کیا جائے تو پھر مذکورہ حدیث کے مطابق ہر مسلم وکافر مردے کی روح لوٹائی جاتی ہے، کیا وہ بھی سب دنیوی زندگی زندہ ہوں گے؟ اگر یہاں روح لوٹانے سے مراد حیاتِ دنیوی نہیں تو وہاں کیوں ہے؟

بلکہ اس استدلال کے برعکس یہ حدیث تو ان لوگوں کے لیے سخت اشکال کا سبب ہے، جو لوگ حیات انبیاء کا اثبات کرتے ہیں، جیسا کہ علامہ عبیدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا مشكل على من ذهب الى أنّ الأنبياء بعد ما قبضوا ردّت اليهم أرواحهم ، فهم أحياء عند ربّهم كالشهداء ، ووجه الاشكال فيه أنّ عود الرّوح الى الجسد يقتضي انفصالها عنه ، وهو الموت ، وهو لا يلتئم مع كونه حيّا دائما ...

''یہ حدیث ان لوگوں کے لیے اشکال ہے، جو یہ مذہب رکھتے ہیں کہ انبیائے کرام کی ارواح قبض ہونے کے بعد دوبارہ ان کی طرف لوٹا دی گئیں ہیں، اب وہ شہداء کی طرح زندہ ہیں، اشکال کی وجہ یہ ہے کہ روح کا جسم کی طرف لوٹایا جانا یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس سے جدا ہو، اسی کا نام موت ہے، یہ صورتِ حال آپ ﷺ کے ہمیشہ زندہ ہونے کے (دعویٰ کے) ساتھ فٹ نہیں آتی۔۔۔'' (مرعاة المفاتيح: ٢٦٩/٣)

③ اگر کوئی شخص اس حدیث سے قریب کا سلام نبی کریم ﷺ کا خود سننا ثابت کرے اور پھر اس سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کشید کرے تو اوّلاً اس کی صراحت کسی صحیح حدیث میں نہیں۔

ثانیاً اس فرمانِ باری تعالیٰ سے اصل بات معلوم ہوسکتی ہے کہ:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ (فاطر: ٢٢)

''آپ مُردوں کو (کوئی بات) نہیں سنا سکتے، مگر اللہ جسے چاہے سنا دیتا ہے۔''

اگر قبر کے قریب سے سننا ہی عقیدۂ حیات النبی ﷺ کی دلیل ہے تو جب اللہ چاہے تمام مسلمانوں، بلکہ غیر مسلموں کو بھی قبر کے قریب کی کوئی آواز سنا دیتا ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((العبد اذا وضع فی قبره، وتولّی وذهب أصحابه حتّی انّه ليسمع قرع نعالهم ...)) ''جب انسان کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آوازیں سن رہا ہوتا ہے۔۔۔'' (صحيح بخاری: ١٣٣٨، صحيح مسلم: ٢٨٧٠)

تو کیا بزعمِ خود نبی کریم ﷺ کے قبر مبارک کے قریب کہے جانے والے سلام کو سن لینے کی وجہ سے حیات النبی ﷺ کی دلیل بنانے والے اس حدیث کو حیات المسلمین، بلکہ حیات بنی آدم کی دلیل بنائیں گے؟

اسی طرح غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ کے جو لوگ قتل ہو گئے تھے، ان کو نبی کریم ﷺ نے خطاب کیا اور فرمایا تھا: ((انّهم الآن يسمعون ما أقول))

''یقیناً وہ اب میری باتیں سن رہے ہیں۔'' (صحيح بخاری: ٣٩٨٠، صحيح مسلم: ٢٨٧٤)

کیا بزعمِ خود قبر کے پاس سے سلام سننے کی وجہ سے حیات النبی ﷺ کا عقیدہ رکھنے والے، کافروں کے نبی ﷺ کا خطاب سننے کی وجہ سے ''حیات الکافرین'' کا عقیدہ بھی رکھیں گے؟

بات صرف اتنی ہے کہ اللہ جب چاہے مُردوں کو کوئی بات سنا دیتا ہے، چاہے وہ کافر ہی ہوں، چنانچہ اگر بالفرض قبر کے پاس کے سلام کے بارے میں یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ اسے خود سنتے ہیں، تو پھر

پھر بھی یہ حیات النبی ﷺ کی دلیل نہیں بن سکتی ، کیونکہ اللہ تعالیٰ عام مردوں بھی کبھی سنا دیتا ہے۔کیا عام مردوں کے لیے بھی حیات ثابت ہو جائے گی۔

پھر آپ ﷺ اس کا جو جواب دیتے ہیں ، اس جواب کا تعلق بھی عالم برزخ کے ساتھ ہے ، دنیاوی کانوں سے اسی لیے وہ سنا نہیں جا سکتا ، لہٰذا اس سے حیاتِ النبی ﷺ کا عقیدہ ثابت کرنا صحیح نہیں !!!

❀ نیز یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ سلام دو طرح کا ہے ، ایک سلامِ مامور ہے ، یعنی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا ہے کہ:

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾ (الاحزاب : ۵۶/۳۳)

''اے ایمان والو! تم ان (نبی اکرم ﷺ) پر درود اور بہت زیادہ سلام بھیجو۔''

اور دوسرا سلامِ تحیہ ہے ، یعنی وہ سلام جو کسی سے ملنے پر تحفتاً کہا جاتا ہے۔

جب اتنی بات سمجھ میں آ گئی ہے تو پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ سلامِ تحیہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو کہا جاتا تھا تو اس کا جواب آپ ﷺ دیتے تھے اور اب بھی کہا جاتا ہے تو اس کا جواب آپ ﷺ خود ہی دیتے ہیں ، جیسا کہ حدیث میں بیان ہو گیا ہے۔

یہ بات بھی بخوبی واضح کی جا چکی ہے کہ سلامِ تحیہ جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں قریب سے کہا جاتا تھا ، اسی طرح اب بھی قریب سے ہی کہا جائے گا۔سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا عمل آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ سفر سے واپسی پر حجرۂ عائشہ میں قبرِ مبارک کے پاس جا کر یہ سلامِ تحیہ کہتے تھے ، اس کے برعکس سلامِ مامور تو سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نمازوں میں ہر جگہ ہی پڑھتے تھے ، اس کے لیے بھلا قبرِ مبارک کے پاس آنے اور سفر سے واپسی پر حاضری دینے کی کیا ضرورت تھی ؟ اگر اس سلام کا آپ ﷺ دُور سے بھی جواب دیتے تھے تو سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما قبرِ مبارک کے پاس کیوں جاتے تھے ؟

سلامِ تحیہ آپ ﷺ کو غیر مسلم بھی کہتے تھے ، جبکہ سلامِ مامور مؤمنوں کے ساتھ خاص ہے ، اس کا جواب بھی آپ ﷺ خود نہیں دیتے ، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں اس شخص پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں ، جیسا کہ حدیثِ نبوی ہے ، سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

أنّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم جاء ذات یوم ، والبشر یریٰ فی وجهه ، فقلنا : انّا لنری البشر فی وجهک ، فقال : انّه أتانی ملک ، فقال : یا محمّد ! انّ ربّک یقول : أما یرضیک أن لا

يصلّي عليک أحد من أمّتک الّا صلّيت عليه عشرا ، ولا يسلّم عليک الّا سلّمت عليه عشرا .

''ایک دن اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار تھے، ہم نے عرض کی، ہم آپ کے چہرۂ مبارک میں خوشی کے آثار دیکھتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، میرے پاس ایک فرشتہ آیا ہے اور اس نے کہا ہے، اے محمد! آپ کا ربّ فرماتا ہے، کیا آپ اس بات پر خوش نہیں ہیں کہ کوئی بھی آپ پر درود پڑھے گا تو میں اس پر دس رحمتیں نازل فرماؤں اور کوئی بھی آپ پر سلام کہے گا تو میں اس پر دس سلامتیاں نازل فرماؤں گا۔'' (مسند الامام احمد : ۲۹/٤، ۳۰، سنن النسائی : ۱۲۸۳، ۱۲۹۵، وسندهٗ صحیحٌ) ①

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ سلام کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ سلام جو قریب سے کہا جاتا ہے ،یعنی سلامِ تحیہ اس کا جواب آپ ﷺ خود لوٹاتے ہیں، جبکہ دوسرا سلام جو دور سے کہا جاتا ہے، اس کا جواب آپ ﷺ خود نہیں لوٹاتے ، بلکہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس شخص پر سلامتی نازل کرتا ہے، چنانچہ جب ہر سلام کے جواب کے لیے آپ ﷺ پر روح نہیں لوٹائی جاتی ،تو اس حدیث سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کا اثبات نہیں ہوسکتا۔

علامہ ابنِ عبدالہادی رحمہ اللہ ان دو قسموں کو یوں بیان فرماتے ہیں:

---

① اس حدیث کو امام ابنِ حبان(۹۱۵) رحمہ اللہ اور امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ (الفتح الکبیر للسیوطی : ح ۱٤۲) نے ''صحیح'' کہا ہے، جبکہ حافظ عراقی نے اس کی سند کو ''جید'' قرار دیا ہے۔ (تخریج احادیث الاحیاء : ح ۱۰۰٤)

سلیمان مولی حسن بن علی ''ثقہ'' ہیں، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام الضیاء المقدسی وغیرہم رحمہم اللہ نے ان کی حدیث کی تصحیح کر کے ان کی توثیق کی ہے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا ایک شاہد بھی مروی ہے، اس کی سند بھی ''حسن'' ہے۔ (مسند الامام احمد : ۱۹۱/۱)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۸۱۰) نے ''صحیح'' کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرک علی الصحیحین : ۳٤٥/۱) نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس کے راوی ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ (د ، ق) جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' نہیں، بلکہ جمہور کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہیں، کیونکہ: امامِ مالک (الکامل لابن عدی : ۳۰۹/٤، الجرح والتعدیل : ۲۸٤/٥، وسندهٗ صحیحٌ)، امامِ نسائی (کتاب الضعفاء والمتروکین : ت : ۳٦٥، الکامل لابن عدی : ۳۰۹/٤) اور امام ابوحاتم

والمقصود هنا أن نعرف ما كان عليه السّلف من الفرق بين ما أمر اللّٰه به من الصّلاة والسّلام عليه وبين سلام التّحيّة الموجب للرّد الّذى يشترك فيه كلّ مؤمن حيّ وميّت ، ويردّ فيه على الكافر ....   ''یہاں مقصود یہ ہے کہ ہم سلف صالحین کے مطابق وہ فرق معلوم کریں، جو مامور من اللہ درود وسلام اور اس سلامِ تحیہ کے درمیان ہے، جس کا جواب لوٹانا واجب ہے اور اس میں تمام زندہ ومردہ مسلمان مشترک ہیں اور جس میں کافر کو بھی جواب لوٹایا جائے گا۔'' (الصارم المنکی : ۱۲۵/۱)

نیز لکھتے ہیں: وهذا السّلام لا يقتضى ردّا من المسلّم عليه ، بل هو بمنزلة دعاء المؤمن للمؤمنين واستغفاره لهم ، فيه الأجر والثّواب من اللّٰه ، ليس على المدعوّ لهم مثل ذلک الدّعاء ، بخلاف سلام التّحيّة ، فانّه مشروع بالنّص والاجماع فى حقّ كلّ مسلم ، وعلى المسلّم عليه أن يردّ السّلام ، ولو كان المسلّم عليه كافرا ، فانّ هذا من العدل الواجب ، ولهذا كان النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يردّ على اليهود اذا سلّموا بقول : عليكم ....

''یہ سلام (سلامِ مامور) سلام کہنے والے پر جواب لوٹانے کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ یہ ایک مؤمن کی دوسرے مؤمنوں کے لیے دعا اور استغفار ہوتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر وثواب ہوتا ہے، جس کے لیے یہ دعا کی گئی ہو، اس پر دعا کرنے والوں کے لیے اسی طرح کی دعا کرنا ضروری نہیں ہوتا، جبکہ سلامِ نیز لکھتے ہیں: فالصّلاة والسّلام عليه صلّى اللّٰه عليه وسلّم فى مسجده وسائر المساجد وسائر البقاع مشروع بالكتاب والسّنّة والاجماع ، وأمّا السّلام عليه عند قبره من داخل

⇦ (الجرح والتعدیل : ۲۸٤/۵) کی ''تضعیف'' کے مقابلے میں امام ابنِ خزیمہ (صحیح ابن خزیمة :۱٤۵۰)، امام احمد بن حنبل (الجرح والتعدیل : ۲۸٤/۵، وسندہٗ صحیحٌ)، امام ابنِ حبان (الثقات : ٤۰٦۰)، امام حاکم (المستدرك علی الصحیحین : ۷۲/۳) اور امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ (الاحادیث المختارة : ۹۳۰) رحمۃ اللہ علیہم کی توثیق مقدم ہوگی، نیز امام ابنِ معین کا جمہور کی موافقت والاقول (تاریخ ابن معین بروایة الدارمی : ٦۰۳) (توثیق والاقول) قبول کیا جائے گا۔

تحیہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ وہ قرآن وسنت کی نصوص اور اجماعِ امت سے ہر مسلمان کے لیے مشروع ہے، پھر جس پر سلامِ تحیہ کہا گیا ہے، اس پر جواب دینا بھی واجب ہے، اگرچہ وہ (سلام کہنے والا) کافر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ اس کا ضروری حق ہے، اسی لیے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہود سلام کہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا جواب بھی عَلَيْكُمْ کے لفظ سے دیتے تھے۔'' (الصارم المنکی : ۱۱۸/۱۔۱۱۹)

الحجرة فهذا کان مشروعا لمّا کان ممکنا بدخول من یدخل علی عائشة . . .

''آپ ﷺ پر درود وسلام مسجدِ نبوی، دوسری تمام مساجد اور دنیا کی تمام جگہوں میں کتاب وسنت اور اجماع کے دلائل کی وجہ سے مشروع ہے، رہا آپ ﷺ کی قبر پر حجرۂ عائشہ میں جا کر سلام کہنا تو یہ کسی شخص کے لیے اس وقت مشروع تھا، جب وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہوسکتا تھا۔۔'' (الصارم المنکی : ۱/۱۱۹)

اگر سلام کی یہ دو قسمیں تسلیم نہ کی جائیں، بلکہ یہ اصرار کیا جائے کہ ہر سلام کا یہ معاملہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ اس کا جواب خود لوٹاتے ہیں تو اس میں جہاں مذکورہ احادیث، یعنی فرشتوں کا وہ سلام نبیٔ اکرم ﷺ تک پہنچانے اور اللہ تعالیٰ کا جواباً سلام کہنے والے پر رحمت کرنے کی تکذیب لازم آتی ہے، وہاں یہ بات عقلاً بھی محال ہے، پھر کسی حدیث میں اس بات کا اثبات بھی نہیں ہے۔

نیز ان دو قسموں کو نہ ماننے سے یہ بھی اعتراض آتا ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں بعض یہودی اور منافق آپ ﷺ کو سلام کہہ دیتے تھے، کیا ان پر بھی اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا تھا؟ حالانکہ منافقین اور یہود پر رحمتِ الٰہی کا تصور بھی اسلام میں نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے سامنے آکر جو سلام کہا جاتا تھا، یعنی سلامِ تحیہ، اس کا حکم اور ہے، یہ حدیث تو سلامِ مامور کے بارے میں ہے، جو مؤمنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اسی لیے اس کا حکم صرف ایمان والوں کو دیا گیا ہے۔

④ اگر آپ ﷺ قبر مبارک میں اسی طرح زندہ ہوتے، جس طرح وفات سے پہلے تھے، یعنی آپ ﷺ کی حیات برزخی نہیں، بلکہ دنیوی ہوتی اور کوئی اپنی بات آپ ﷺ کو سنا سکتا ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور اپنی پریشانیاں اور مشکلات آپ ﷺ کو پیش کرتے، کم از کم اس بارے میں آپ ﷺ سے دعا ہی کرواتے، لیکن ایسی کوئی بات کسی صحابی سے ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی سلام کے علاوہ کوئی اور درخواست آپ ﷺ کی قبر مبارک کے قریب یا دُور سے کی ہو، اس کے برعکس کئی واقعات ایسے ہیں، جو صریح طور پر اس کی نفی کرتے ہیں، مثلاً سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

انّ عمر بن الخطّاب کان اذا قحطوا استسقٰی بالعباس بن عبد المطّلب، فقال: اللّٰھمّ انّا کنّا نتوسّل الیک بنبیّنا صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، فتسقینا، وانّا نتوسّل الیک بعمّ نبیّنا، فاسقنا، قال: فیسقون. ''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب لوگوں پر قحط سالی آتی تو سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارش کی دعا کرتے اور کہتے، اے اللہ! یقیناً ہم تیری طرف تیرے نبی ﷺ

(کی دعا) کا وسیلہ بناتے تھے تو تو ہمیں بارش عطا کرتا تھا اور اب ہم تیری طرف تیرے نبی کے چچا (کی دعا) کا وسیلہ بناتے ہیں، تو ہمیں بارش عطا کر، چنانچہ ان پر بارش نازل کی جاتی تھی۔'' (صحیح بخاری: ۳۷۱۰)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ تعالیٰ کو نبیٔ اکرم ﷺ کی دعا کا واسطہ دیتے تھے، نہ کہ آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کا، ورنہ ذات کا واسطہ تو آپ ﷺ کی زندگی کے بعد بھی دیا جا سکتا تھا، اگر اس واسطہ سے مراد ذات کا واسطہ تھا تو آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کو چھوڑ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا واسطہ دینا صریح گستاخی ہے، جو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صادر ہونا محال ہے، ہاں یہ واسطہ دعا کا تھا، جو کہ آپ ﷺ زندگی میں کر دیتے تھے، لیکن آپ ﷺ کی وفات سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ ﷺ ہماری باتیں نہیں سنتے، چاہے وہ قریب سے ہوں، ورنہ وہ مشکل اوقات میں نبیٔ اکرم ﷺ سے دعا کی ہی درخواست کر دیتے۔

اگر آپ ﷺ کی حیات دنیوی ہوتی اور آپ ﷺ سب کچھ سنتے، جانتے ہوتے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، جیسے جلیل القدر صحابیٔ رسول کبھی بھی آپ ﷺ کو چھوڑ کر آپ ﷺ کے امتی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے دعا نہ کرواتے!

اسی طرح پورے ذخیرۂ حدیث و تاریخ میں باسندِ صحیح کسی ایک صحابیٔ رسول ﷺ سے سلام کے علاوہ کوئی بھی درخواست و دعا نبیٔ اکرم ﷺ سے کرنا ثابت نہیں۔

5 پھر حیات النبی ﷺ کے قائل لوگ اس روایت کو بھی پیش کر کے استدلال کرتے ہیں:

((الأنبياء أحياء في قبورهم ، يصلّون))

''انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔''

(مسند ابی یعلیٰ: ٦/١٤٧، ح: ٣٤٢٥، اخبار اصفهان للاصبهانی: ٨٣/٢ بحوالہ السلسلة الصحيحة للالبانی: ٢/ ١٨٩، حیات الانبیاء للبیقی: ح: ١)

قطع نظر اس بات سے کہ اس کی استنادی حیثیت کیا ہے؟ ہم ایسے لوگوں سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ کے موقف کے مطابق آپ ﷺ پر ہر وقت سلام کہا جا رہا ہے اور آپ ﷺ ہر وقت اس کا جواب دے رہے ہیں، لہٰذا حیات النبی ﷺ ثابت ہو گئی ہے تو کیا آپ ﷺ نماز پڑھتے وقت بھی سلام کا جواب دیتے ہیں، جو کہ احناف کے ہاں ''ممنوع'' ہے، جیسا کہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ''ہدایہ'' میں لکھا ہے:

ولا يردّ السّلام بلسانه ، لأنّه كلام ، ولا بيده ، لأنّه سلام معنى ....

''نمازی اپنی زبان سے سلام کا جواب نہیں دے گا، کیونکہ وہ تو کلام ہے اور نہ ہی ہاتھ کے ساتھ (اشارہ

سے جواب دے گا)، کیونکہ یہ معنوی طور پر سلام ہی ہے۔'' (الهداية : ١٤٢/١)

ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے کہ اگر فقہ حنفی برحق ہے تو آپ ﷺ کے ہر وقت اور ہر ایک کے سلام کو سننے اور جواب دینے والا قول مردود ہے اور اگر یہ قول درست ہے تو فقہ حنفی کا جنازہ نکل جاتا ہے!

⑥ بعض لوگ اس حدیث سے مسئلہ حیات النبی ﷺ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سیدنا عیسیٰ کے آسمان سے نزول کے بارے میں فرمایا:

لئن قام علی قبری ، فقال : یا محمّد ! لأجیبنّه . ''اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہوں اور اے محمد (ﷺ)! تو میں ضرور ان کا جواب دوں گا۔'' (مسند ابی یعلیٰ : ٦٥٨٤)

لیکن اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ عبداللہ بن وہب المصری راوی ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' سے حدیث بیان کر رہے ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں قبر مبارک پر کھڑے ہونے سے مراد سلام کہنا اور جواب سے مراد سلام کا جواب ہے، جیسا کہ اسی حدیث کی دوسری سند میں ہے: **ولیأتینّ قبری حتّی یسلّم و لأردنّ علیه .**
''وہ ضرور میری قبر پر سلام کہنے کے لیے آئیں گے، میں ضرور ان پر جواب لوٹاؤں گا۔''

(المستدرك علی الصحیحین للحاکم : ٦٥١/٢، ح : ٤١٦٢)

یہ سند بھی ''ضعیف'' ہے، اس میں محمد بن اسحاق بن یسار ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' سے بیان کر رہے ہیں۔

ایک اور حدیث جو اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فنبیّ اللّٰه حیّ یرزق)) ''اللہ کے نبی زندہ ہیں، وہ رزق دیئے جاتے ہیں۔''

(سنن ابن ماجه : ١٦٣٧)

اس کی سند ''منقطع'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، جیسا کہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفیه انقطاع بین عبادة بن نسیّ و أبی الدّرداء ، فانّه لم یدرکه .

''اس سند میں عبادہ بن نسی اور سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، کیونکہ اس (عبادہ) نے ان (سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ) کا زمانہ نہیں پایا۔'' (تفسیر ابن کثیر : ٦٢٠/٣، تحت سورة الاحزاب : ٥٦/٣٣)

نیز اس میں ایک اور وجہ انقطاع بھی ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **زید بن أیمن عن عبادة بن نسیّ مرسل .** ''زید بن ایمن کی عبادہ بن نسی سے روایت مرسل (منقطع) ہوتی ہے۔''

(التاریخ الکبیر للبخاری: ٣٨٧/٣)